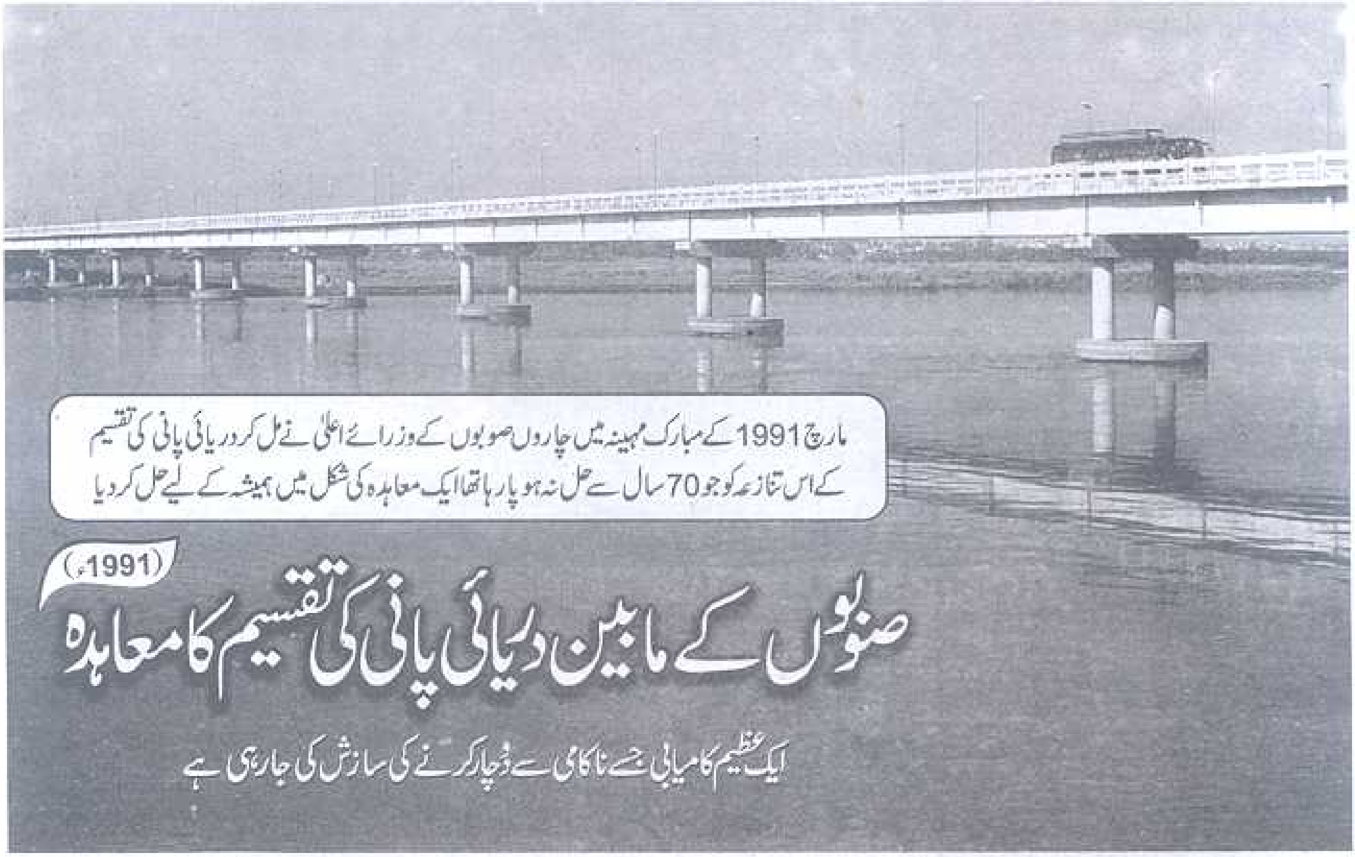

مارچ 1991 کے مبارک مہینہ میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ نے مل کر دریائی پانی کی تقسیم کے اس تنازعہ کو جو 70 سال سے حل نہ ہو پا رہا تھا ایک معاہدہ کی شکل میں ہمیشہ کے لیے حل کردیا

صوبوں کے مابین دریائی پانی کی تقسیم کا معاہدہ (1991ء)

ایک عظیم کامیابی جسے ناکامی سے دوچار کرنے کی سازش کی جارہی ہے

انجینئر ممتاز احمد خان

وطن عزیز آج پانی اور بجلی کی نایابی جیسے جن سنگین بحرانوں سے دوچار ہے اس سے صرف گھر ہی تاریکی میں نہیں ڈوبے بلکہ ہماری زرعی اور صنعتی معیشت بھی تباہی کے کنارے پہنچ چکے ہیں اور صاف نظر آرہا ہے کہ اگر قوم نے پانی اور بجلی کے بحرانوں سے نکلنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر جرات مندانہ اور حقائق پر مبنی فیصلے نہ کیے تو (خدانخواستہ) قحط سالی اور معیشت کی مکمل تباہی ہمارا مقدر ہوگی جو کہ ہمارے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے۔

اس تناظر میں مارچ 1991 میں ملک کے چاروں صوبوں کے درمیان ہونے والا دریائی پانی کی تقسیم کا معاہدہ (Water Apportionment Accord 1991) وہ عظیم کامیابی ہے جو ملک وقوم کو پانی اور بجلی کے بحرانوں سے نکالنے کے لیے صرف بنیاد ہی نہیں بلکہ پورا فریم ورک مہیا کرتی ہے۔ لیکن کس قدر المناک ہے یہ حقیقت کہ گزشتہ بیس سال سے اس عظیم کامیابی کو ناکامی سے دوچار کرنے کی سازش جاری ہے۔ جس کی وجہ سے قوم آج تک اس معاہدہ کی برکات سے فیض یاب نہیں ہو سکی اور پانی وبجلی کی نایابی کے بحران اژدہا بن کر قوم کے درپے ہیں

چنانچہ یہ آرٹیکل تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ:۔

i۔ قوم کو بتایا جائے کہ (Water Apportionment Accord 1991) کی کیا اہمیت ہے اور یہ عظیم کامیابی ہمیں کیسی مشکلات اور کتنے مراحل سے گزر کر حاصل ہوئی ہے۔

ii۔ قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ یہ معاہدہ ہے کیا اور اس معاہدہ کی رو سے پاکستان کے ہر صوبہ اور قوم کے حصہ میں کیا آیا ہے۔

iii۔ یہ معاہدہ کس طرح ہمیں درپیش پانی اور بجلی کے بحرانوں کے حل کی بنیاد اور آئندہ کا لائحہ عمل مہیا کرتا ہے۔

iv۔ قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ یہ عظیم کامیابی ناکامی سے کیوں دوچار ہے اور ملک وقوم اس معاہدہ کی برکات سے اب تک کیوں فیض یاب نہیں ہو سکے۔

تاریخی پس منظر

پنجاب اور سندھ کے درمیان دریائی پانی کی تقسیم کا تنازعہ آج سے 90 سال قبل 1920ء میں اس وقت شروع ہوا جب پنجاب میں ستلج ویلی پروجیکٹ اور سندھ میں سکھر بیراج کے منصوبے بنائے گئے۔ چونکہ دریائے ستلج دریائے سندھ کا ایک معاون دریا ہے اس لیے صوبہ سندھ نے ستلج ویلی پراجیکٹ پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ تاہم انگریز حکومت نے ان اعتراضات کے باوجود ستلج ویلی پروجیکٹ اور سکھر بیراج کے منصوبوں پر کام جاری رکھا اور انہیں بالترتیب 1929ء اور 1932ء میں مکمل کیا۔

> پانی اور بجلی کے بحرانوں سے نکلنے کیلئے اگر ہنگامی بنیادوں پر جراتمندانہ اور حقائق پر مبنی فیصلے نہ کیے گئے تو ہمارے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں کے مطابق خدانخواستہ قحط سالی اور معیشت کی مکمل تباہی ہمارا مقدر ہوگی

1930ء میں جب حکومت نے پنجاب میں نہری نظام کو مزید وسعت دینے کا پروگرام بنایا تو ایک بار پھر پنجاب اور سندھ کے درمیان پانی کی تقسیم کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا جس پر 1935ء میں حکومت ہند نے اینڈرسن کمیشن تشکیل دیا۔ جس کے ذمہ حکومت کو ریاست خیر پور، ریاست بہاولپور اور پنجاب میں حویلی کینال پروجیکٹ کے درمیان دریائی پانی کی تقسیم کے لیے سفارشات پیش کرنا تھا۔

1939ء میں صوبہ سندھ نے اینڈرسن کمیشن کی سفارشات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر حکومت ہند نے 1941ء میں اس مسئلہ کے حل کے لیے جسٹس راؤ کمیشن قائم کیا۔ جسٹس راؤ کمیشن نے اینڈرسن کمیشن کی اکثر سفارشات کی تائید کی اور ساتھ ہی سندھ میں گدو اور کوٹری کے مقام پر بیراج تعمیر کرنے کی تجویز دی اور یہ اصول طے کیا کہ مختلف نہروں کو دریائی پانی سے جو حصہ پہلے طے کیا جا چکا ہے اسے تبدیل نہ کیا جائے۔ چنانچہ راؤ کمیشن کی سفارشات کے مطابق سندھ اور پنجاب کے چیف انجینئروں نے 1945ء میں ایک معاہدہ کا مسودہ تیار کیا جس میں دونوں صوبوں کے درمیان دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے پانیوں کی تقسیم کا فارمولا تجویز کیا گیا۔ تاہم اس سے قبل کہ اس سفارش کو باقاعدہ قانون کی حیثیت دی جاتی اگست 1947ء میں ملک تقسیم ہو گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد صوبہ سندھ اور پنجاب کے درمیان پانی کی تقسیم 1960ء تک اسی معاہدہ کے تحت ہوتی رہی جو کہ 1945ء میں دونوں صوبوں کے چیف انجینئرز نے تجویز کیا تھا۔ تاہم 1960ء میں سندھ طاس معاہدہ کے بعد صورتحال بدل گئی اور دونوں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے مسئلہ نے پیچیدہ اور سنگین صورتحال اختیار کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سندھ طاس معاہدہ کے تحت پاکستان تین مشرقی دریاؤں یعنی ستلج، بیاس اور راوی پر انڈیا کے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہو گیا تھا اور ان دریاؤں سے نکلنے والی نہروں کو لنک کینالز کے ذریعہ مغربی دریاؤں چناب، جہلم اور سندھ سے منسلک کر دیا گیا تھا۔

اکتوبر 1970ء میں چیف جسٹس (ر) فضل اکبر کی سربراہی میں قائم کمیشن کی ٹرمز آف ریفرنس میں یہ تھا کہ کمیشن چاروں صوبوں کے درمیان دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے متعلق سفارشات پیش کرے۔ کمیشن نے 1972ء میں اپنی سفارشات حکومت کو پیش کر دیں

سندھ طاس معاہدہ کے بعد 1968ء میں حکومت پاکستان نے اختر حسین کمیٹی قائم کی جس کی ٹرمز آف ریفرنس یہ تھیں کہ وہ کمیٹی مغربی پاکستان میں تمام بیراجوں کو پانی کے حصے اور زیر زمین پانی کے استعمال سے متعلق سفارشات پیش کرے۔ اس کمیٹی نے جون 1970ء میں اپنی سفارشات حکومت کو پیش کر دیں لیکن اس دوران ون یونٹ کی تحلیل اور ملک میں جاری سیاسی بحران کی وجہ سے اس کمیٹی کی سفارشات پر کوئی عملی کاروائی نہ ہو سکی۔

اس کے بعد اکتوبر 1970ء میں چیف جسٹس (ریٹائرڈ) فضل اکبر کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس کی ٹرمز آف ریفرنس میں یہ تھا کہ کمیشن چاروں صوبوں کے درمیان دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے متعلق سفارشات پیش کرے۔ اس کمیشن نے 1972ء میں اپنی سفارشات حکومت کو پیش کر دیں جس کی رو سے کمیشن نے حکومت کی منظوری کے لیے دو اصول تجویز کر دیے۔ اول یہ کہ صوبوں کی حدود نہیں بلکہ کینال کمانڈز کو دریائی پانی کی تقسیم کی بنیاد بنایا جائے اور دوئم یہ کہ مختلف نہری کمانڈز کو حاصل پہلے سے طے شدہ حصوں کا استحقاق برقرار رکھا جائے بشرطیکہ یہ حصہ داری منصفانہ تقسیم کے برتر اصول سے متصادم نہ ہو۔ تاہم اس کمیشن کی سفارشات پر بھی اس وقت کی حکومت نے کوئی کاروائی نہ کی اور یہ رپورٹ بھی ڈمپ کر دی گئی۔

جسٹس فضل اکبر کے بعد چیف جسٹس پاکستان جسٹس عبدالحلیم کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم ہوا جس کے ارکان میں چاروں صوبوں کی ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان شامل تھے۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ اپریل 1983ء میں حکومت کو پیش کر دی۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:۔

i- یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ جسٹس فضل اکبر کمیشن کی تفصیلی سفارشات پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ ان سفارشات پر عمل کیا جاتا تو پانی کے معاملہ میں صوبوں کی مشکلات بہت عرصہ پہلے ختم ہو چکی ہوتیں۔

ii- صوبوں کو حاصل موجودہ حصوں کو تحفظ دے کر فالتو پانی چاروں صوبوں کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے۔

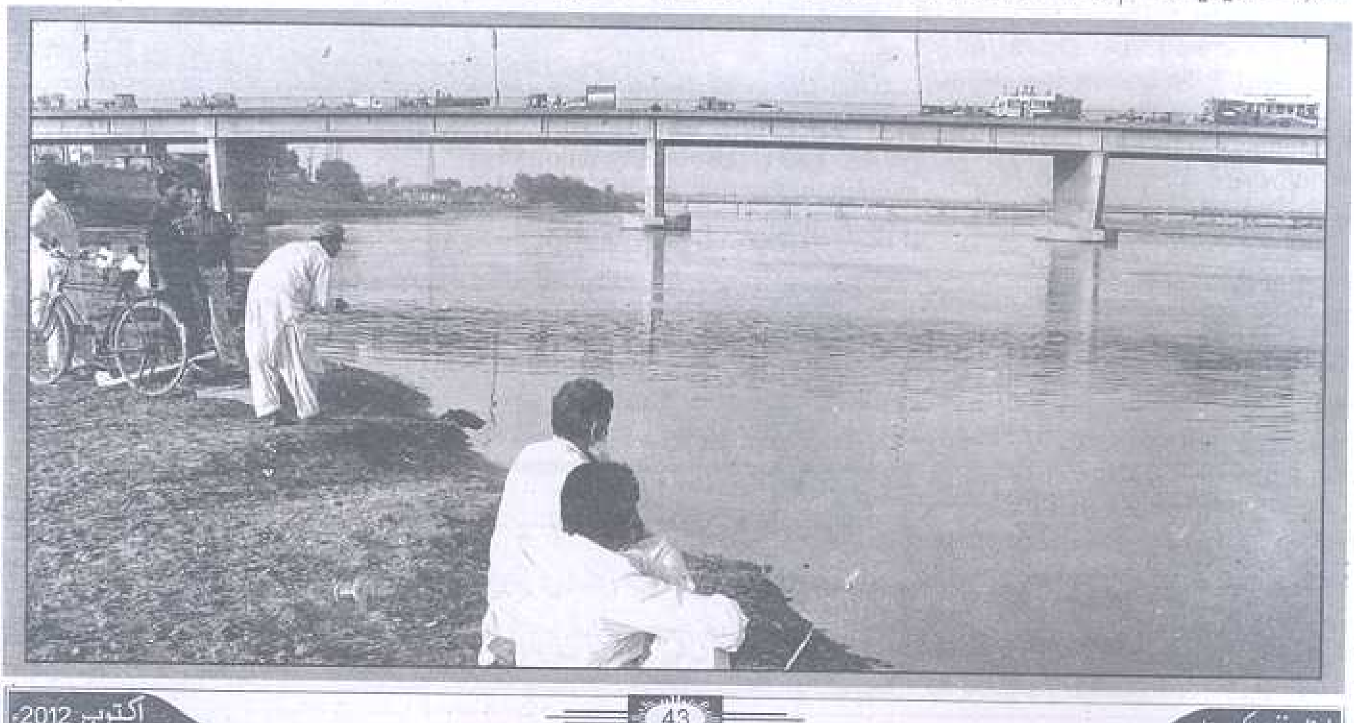

1983ء میں چیف جسٹس پاکستان جسٹس عبدالحلیم کی سربراہی میں قائم کمیشن نے حکومت کو پیش کردہ اپنی رپورٹ میں لکھا کہ صوبوں کو حاصل موجودہ حصوں کو تحفظ دے کر فالتو پانی چاروں صوبوں کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے

iii۔ (خشک سالی کی وجہ سے) جب بھی دریائی بہاؤ میں کمی آئے تو اسے بھی صوبوں کے درمیان ان کے مقرر شدہ حصوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے۔

iv۔ مغربی دریاؤں میں لمبے عرصہ کی اوسط بہاؤ کو بنیاد بنا کر دستیاب پانی کی مقدار کا تعین کیا جائے۔

تاہم آٹھ سال تک جسٹس عبدالحلیم کمیشن کی رپورٹ بھی حکومت کے سردخانے میں پڑی رہی اور اس کی سفارشات پر اس دوران کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

یہ مارچ 1991 کا وہ بابرکت مہینہ تھا کہ جب چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ نے مل کر دریائی پانی کی تقسیم کے اس تنازعہ کو جو 70 سال سے حل نہ ہو پا رہا تھا (Water Apportionment Accord 1991) کی شکل میں ہمیشہ کے لیے حل کر دیا۔ قوم کے حصہ میں آنے والی یہ کامیابی کتنی بڑی تھی اس کا اندازہ اسی ایک امر سے ہو جاتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں 1920ء سے جاری اس تنازعہ کو انگریز حکومت بھی حل کرنے میں ناکام رہی تھی جبکہ یہ مسئلہ اس وقت اتنا پیچیدہ بھی نہ تھا اور ایسے غیر سیاسی تنازعہ میں انگریز حکومت کا فیصلہ یقیناً ایک غیر جانبدار ثالث کا فیصلہ ہوتا۔ اور پھر قیام پاکستان کے بعد بھی 45 سال تک یہ تنازعہ جاری رہا اور اس دوران کوئی حکومت اسے حل نہ کر سکی۔

معاہدہ میں کیا طے پایا:۔

معاہدہ کی اہم ترین دفعات مذکورذیل ہیں۔

Clause-2:

Considering the average use of 1977-82 as the datum, the (WAA-1991) specified following allocations for the provinces.

Province	Kharif (MAF)	Rabi(MAF)	Total (MAF)	% Share
Punjab	37.07	18.87	55.94	47.47
Sind	33.94	14.82	48.76	41.53
NWFP	5.28	3.50	8.78	7.48
Balochistan	2.85	1.02	3.87	3.32
Total	79.14	38.21	117.35	100

ترجمہ: 1977-82ء کے دوران پانی کے بہاؤ کی بنیاد پر صوبوں کے مذکورذیل حصے مقرر کیے جاتے ہیں۔

Cluase -4

"Balance of river supplies (including flood supplies and future storages) shall be distributed as below:-

ترجمہ: (مذکورہ بالا حصوں کے بعد) زائد پانی جس میں سیلابی پانی اور مستقبل میں بننے والے ذخیروں (یعنی ڈیموں) کا پانی بھی شامل ہے درج ذیل تناسب سے تقسیم ہوگا۔

پنجاب 37 فیصد۔ سندھ 37 فیصد۔ این ڈبلیو ایف پی 12 فیصد۔ بلوچستان 14 فیصد۔

تجزیہ۔ اگر مستقبل میں بننے والے ڈیموں کے پانی کو بھی کلاز نمبر 2 کے فارمولے کے مطابق تقسیم کیا جاتا تو پنجاب کا حصہ 47.67% بنتا تھا جبکہ پنجاب نے 37% حصہ قبول کر لیا اور اپنے حصے کا 10.67% صوبہ سرحد اور بلوچستان کو دے دیا۔ اسی طرح صوبہ سندھ نے 41.53% کی بجائے 37% حصہ قبول کیا اور اپنے حصہ میں سے 4.53% سرحد اور بلوچستان کو دے دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صوبہ پنجاب نے یہ تنازعہ ختم کرنے کے لیے اپنے پانی کا ایک بڑا حصہ چھوٹے صوبوں کو دے کر کتنی بڑی قربانی دی۔ پنجاب نے یہ قربانی کیوں دی؟ صرف اس لیے کہ یہ تنازعہ ختم ہو اور ہم ڈیم بنا کر پانی کو سمندر میں ضائع ہونے سے بچا سکیں۔

Clause -6

"The need for storages, whereever feasible on the Indus and other reivers was admitted and recognized by the participants for planned future agricultural development".

ترجمہ: فریقین نے یہ تسلیم کیا کہ دریائے سندھ اور دوسرے دریاؤں پر جہاں جہاں عملی طور پر ممکن ہو زراعت کی ترقی کے لیے سٹوریج (یعنی ڈیم) بنانے کی ضرورت ہے۔

Clause -7

"The need for certain minimum escapages to Sea below Kotri, to check sea intrusion was recognized. Sind held the view that the optimum level was 10 MAF, which was discussed at length, while other studies indicated lower / higher figures. It

معاہدہ میں شامل ایک شق کا نہایت قابل غور نکتہ یہ ہے کہ چاروں وزرائے اعلیٰ نے تمام قابل عمل ڈیموں کو تعمیر کرنے پر اتفاق کیا اور کسی خاص ڈیم کو اس عمومی قبولیت سے خارج نہیں کیا۔ چنانچہ یہ معاہدہ کالاباغ ڈیم سمیت تمام قابل عمل ڈیموں کی تعمیر کو منظور کرتا ہے

was therefore, decided that studies would be carried out to establish the minimal escapage needs down stream Kotri".

ترجمہ: سمندری پانی کے دخول کو روکنے کے لیے کوٹری سے نیچے مناسب مقدار میں دریائی بہاؤ کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا۔

سندھ کا موقف تھا کہ اس مقصد کے لیے سالانہ 10 ملین ایکڑ فیٹ پانی کی مقدار مناسب رہے گی۔ اس پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ کچھ جائزے اس مقصد کے لیے 10 ملین ایکڑ فیٹ سے کم اور کچھ زیادہ مقدار کا تعین کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ کوٹری سے نیچے پانی کی مناسب مقدار کا تعین کرنے کے لیے مزید تحقیق کی جائے گی۔

Clause -8

"There would be no restrictions on the provinces to undertake new projects with in their agreed shares".

ترجمہ: صوبوں پر اپنے طے شدہ حصوں کے اندر رہتے ہوئے نئے پراجیکٹس زیر عمل لانے پر کوئی قدغن نہ ہوگی۔

Clause - 13

" For the implementation of this accord, the need to establish an Indus River System Authority was recognized and accepted. It would have Head Quarter at Lahore and would have representation from all provinces".

ترجمہ: اس معاہدہ پر عملدرآمد کے لیے انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کے قیام کو منظور کیا گیا جس کا ہیڈ کوارٹر لاہور میں ہوگا اور جس میں ہر صوبہ کی نمائندگی ہوگی۔

نوٹ: (جنرل پرویز مشرف کے دور میں صوبہ سندھ کو خوش کرنے کے لیے اس کے ارکان کی تعداد ایک سے بڑھا کر دو کر دی گئی جبکہ باقی تینوں صوبوں سے ایک ایک نمائندہ ہی برقرار رکھا گیا)۔

Clause -14(e)

"All efforts would be made to avoid wastages. Any surpluses may be used by another province but this would not establish any right to such uses".

ترجمہ: دریائی پانی کے ضیاع کو روکنے کے لیے ہر کوشش کی جائے گی۔ فالتو پانی کوئی بھی صوبہ اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکے گا لیکن ایسا استعمال استحقاق کا درجہ حاصل نہ کرے گا۔

پانی اور بجلی کے بحرانوں کے حل میں اس معاہدہ کی اہمیت:۔

1۔ قوم اور ملک کو اس معاہدہ سے فوری فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا تنازعہ ختم ہو گیا۔ اس معاہدہ کے تحت قائم ارسا چاروں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے مسائل خوش اسلوبی سے طے کر رہی ہے۔

2۔ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر اس معاہدہ کی اہمیت یہ ہے کہ چاروں صوبوں نے دفعہ 14 کے تحت اس ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس امر پر اتفاق کیا کہ دریائی پانی کے سمندر میں ضیاع کو ہر حالت میں روکا جائے اور پھر دفعہ 6 کے تحت اس پر اتفاق کیا کہ دریاؤں پر جہاں جہاں عملی طور پر ممکن ہو مزید ڈیم بنائے جائیں۔ اس شق کا نہایت قابل غور نکتہ یہ ہے کہ چاروں وزرائے اعلیٰ نے تمام قابل عمل ڈیموں کو تعمیر کرنے پر اتفاق کیا اور کسی خاص ڈیم کو اس عمومی قبولیت سے خارج نہیں کیا۔ چنانچہ یہ معاہدہ کالا باغ ڈیم سمیت تمام قابل عمل ڈیموں کی تعمیر کو منظور کرتا ہے۔

معاہدہ کو ناکامی سے دوچار کرنے کی سازش جاری ہے:۔

اس معاہدہ کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کالا باغ ڈیم (جس کے قابل عمل ہونے کی رپورٹ اور ڈیزائن تک طے ہو چکے تھے) پر فوراً ہی کام شروع کر دیا جاتا اور ساتھ ہی دوسرے ڈیموں کا سروے اور قابل عمل ہونے کی انویسٹی گیشن شروع کر دی جاتی۔ اگر ہماری حکومتیں یہ کرتیں تو 1991ء سے اب تک 20 سال کے عرصہ میں تین ڈیم ورنہ کم از کم دو ڈیم تو ضرور بن چکے ہوتے اور آج پانی و بجلی کے بحرانوں کا دور دور تک نشان بھی نہ ہوتا۔ لیکن یہ کس قدر قوم کی بدقسمتی اور 1991ء کے بعد آنے والی تمام حکومتوں کی شرمناک نا اہلی ہے کہ ان 20 سال کے دوران کسی ایک ڈیم پر بھی کام شروع نہیں ہو سکا اور آج قوم ایک طرف پانی کی بوند بوند کو ترس رہی ہے اور دوسری طرف 12/14 گھنٹے کی روزانہ لوڈ شیڈنگ کے عذاب نے پوری قوم اور معیشت کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔

پنجاب جس نے Water Approtionment Accord 1991 میں اپنے حصہ کا پانی دوسرے صوبوں کو دے کر قربانی کی پہلی مثال قائم کی (دوسری مثال پنجاب نے حالیہ NFC ایوارڈ میں اپنے جائز حصہ سے کم پر راضی ہو کر دی ہے) اس پنجاب پر پانی چوری جیسا انتہائی بیہودہ اور حقائق کے سراسر برعکس الزام عائد کیا جاتا ہے۔ سازشی عناصر کی طرف سے ڈس انفارمیشن اور حقائق کے منافی اعتراضات کے ذریعے کالا باغ ڈیم جیسے پروجیکٹ کو کس طرح سبوتاژ کیا گیا ہے وہ Water Apportionment Accord 1991 کی عظیم کامیابی کو ناکامی تبدیل کرنے کی سازش کی ہی ایک کڑی ہے۔

★★★